التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۹، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۴۲-۵۲

قدیم عرب میں لفظ "شاعر" کا مفہوم اور چند تفاسیر قرآن

نیما ربانی

'Ayah' no.224to226 of surah 'ALShu'ara' of the holy Quran seem to have condemmed poets and poetry and 'ayat' no.227 gives an exception. It is necessary to clarify that the condemmation does not refer to the connotation of poet and poetry in the modern sense. People appreciate poetry and respect poets but they do not follow them. The 'Shuara' referred to here was a class of persons in Aarbs who were belived to have metaphysical knowledge and capability to make prophesies.

The exception also does not refer to some of the people straying in evil and following the 'Shuara' or to the poets writing only ' Hamd ' and ' naat' or mystic poetry. This 'ayat'(no.227) actually refers to the people who believe are on the right path in their actions and remember Allah. Such persons can only be followers of the holy prophet and not of any intellectual .

قرآن میں سورۃ الشعراء کی آیات ۲۲۴-۲۲۶ "شاعر" سے متعلق آئی ہیں:

و الشعرآء یتبعھمُ الغاو ن. الم تر انھم فی کل وادٍ یھیمُو ن لا

و انھم یقو لو ن ما لا یفعلُو ن.

ترجمہ: "اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔ اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔"(۱)

سوال یہ ہے کہ یہاں مذکور لفظ "شاعر" کیا محض فن شاعری سے متعلق افراد کے لئے عمومی لحاظ سے استعمال ہوا ہے یا پھر کسی مخصوص پیرائے میں کسی مخصوص گروہ کے تصور کا پس منظر رکھتے ہوئے استعمال ہوا ہے۔ نیز کیا ان آیات کا مقصد فنون لطیفہ کی ایک اہم صنف شاعری کو مسترد کر دینا ہے یا پھر ان آیات کے پس منظر میں موجود تصور کی مذمت کرنا ہے۔

ان سوالات کے جواب تلاش کرنے کے لئے قدیم عرب میں "شاعر" کے قدیم تصور اور مفہوم کے بارے میں علم حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ آیا چند مشہور تفاسیر میں مفسرین نے اس موضوع پر جو اظہار خیال کیا ہے اس کو بھی پیش کر دیا جائے۔

قدیم عربوں میں 'کاہن' بہت اہمیت رکھتے تھے یہ لوگ تیروں کے ذریعے فال نکالتے اور لوگوں کو ان کے مستقبل کے حالات سے واقفیت فراہم کرتے تھے۔ عرب قوم کاہنوں کی بہت تعظیم کرتی اور ان کی تمام حرکات کو غیب دانی پر محمول کرتی تھی۔ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی روحیں کاہنوں کے جسم میں حلول کر جاتی ہیں اور ان کو غیب کی باتیں بتا دیتی ہیں اور ان کو آسمان کی خبریں معلوم ہو جاتی ہیں۔ 'کاہن' عام طور پر کسی نہ کسی خانقاہ سے منسلک اور محدود ہوتا تھا اور اس کی مدد خانقاہ جا کر حاصل کی جاتی تھی۔ شاعر، کاہن کی ایک قسم سمجھے جاتے تھے۔

'شاعر' آزاد منش شخص ہوتا تھا اور صحراء میں گھومتا پھرتا تھا اور لوگوں کو مشورے

دے کر ان کی مدد کرتا تھا۔ اس کے مشورے اور تجاویز ایک ان دیکھی طاقت کی طرف سے سمجھے جاتے تھے۔ شاعر کسی خانقاہ سے متعلق نہیں ہوتا تھا۔ 'شاعر' کے الفاظ خوبصورت اور دلپذیر ہوتے تھے جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے اندر موجود کوئی پر اسرار طاقت اس سے یہ سب کہلواتی ہے۔ شاعروں کے اشعار میں ایک طرح کی جادوئی خاصیت پنہاں سمجھی جاتی تھی لہذا 'شاعروں' کے 'دیوان' کو طلسماتی سمجھ کر محفوظ بھی کر لیا جاتا تھا۔ (۲)

شاعر کے کلام کو لوگ ماورائی حیثیت دیتے تھے اور شاعر کو ایسا پیش گوئی کرنے والا سمجھا جاتا تھا جس کے مشورے اور تنبیہہ اہم سمجھے جاتے تھے۔ عرب شاعروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قدیم عرب میں یہ رسم رہی کہ جنگ کے دن ہر قبیلے کا 'شاعر' میدان میں آتا اور حریف کے لئے بد دعائی اشعار پڑھتا جس کا مقصد اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانا اور حریف فوج کے حوصلے کو پست کرنا ہوتا تھا کیونکہ قبائل شاعروں کے الفاظ ماورائی پیش گوئی اور طلسماتی طاقت کا حامل سمجھتے تھے۔ (۳)

جب عرب میں اسلام کی آمد ہوئی اور مکہ میں رسول اللہؐ کی حیثیت ایک پیغمبر کی ہوگئی تو اب عام عربوں نے ان کی شخصیت اور ان کے ذریعے اترے ہوئے کلام کو بھی اپنے قدیم مذہبی عقائد و تصورات کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا لہذا کبھی ان پر آنے والی وحی کو 'کہانت' کے زمرے میں رکھا جانے لگا اور کبھی 'سحر' کے اور کبھی حقائق بیان کرنے پر رسول اللہؐ پر مجنوں (دیوانہ) ہونے کے الزام عائد ہونے لگے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ اب تک عرب جس مذہبی تربیت سے گزرے تھے اس میں مختلف النوع خیالات و نظریات بیان کرنے والوں کے لئے یہی کچھ سمجھا اور کہا جاتا رہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام خیالات کو قرآن میں بالکل مسترد کر دیا اور بالکل واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ رسول اللہؐ ان تک پہنچا رہے ہیں وہ در اصل اللہ کا کلام ہے اور عقائد کی وہ اصل صورت ہے جو زمانے کی دھول میں اٹ کر اس قوم کی نظر سے اوجھل ہو چکی ہے لہذا اب آخری رسول اس کو شفافیت سے ظاہر کر رہے ہیں۔

یہاں پر یہ بھی واضح کیا گیا کہ رسول اپنے دل سے کچھ بنا کر نہیں لاتے بلکہ یہ

سب خدائے واحد کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جس کا اصل مقصد انسان کو اس کی زندگی کے لئے رہنما اصول فراہم کرنا ہے۔

چند مشہور تفاسیر قرآن میں سورۃ الشعراء کی ان آیات کی تفسیر کچھ اس انداز میں کی گئی ہیں جس میں کہیں کہیں یہ بات واضح ہوتی نظر آتی ہے اور کہیں محض یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید ان آیات کا مقصد فنون لطیفہ کی اس صنف پر ہی قدغن لگانا ہے۔ مگر عہد رسالت میں ہم کو کئی ایسے صحابہ کرام کا ذکر ملتا ہے جو ادبی اعتبار سے شاعر بھی تھے اور رسول اللہؐ نے ان کے اس فن کی کبھی تکذیب نہ فرمائی تھی۔

ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد محمود النسفی لکھتے ہیں:

"یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو شعر کہتے اور اپنی زبان سے یہ بڑا رتے کہ ہم بھی اس طرح کہتے ہیں جیسے محمدؐ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے پیرو گمراہ قسم کے لوگ تھے جو ان کے اشعار سنتے۔" (۴)

یہاں یہ بات اہم ہے کہ یہاں مفسر کہانت اور ادبی شعر میں کوئی فرق واضح کئے بغیر یہ رائے دے رہے ہیں، جبکہ 'شعر' کے بارے میں فرق واضح کرنا ضروری ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگلی آیت ۲۲۷، سورہ الشعراء میں مومن شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

الا الذین امنو و عملوا الصلحت و ذکرو اللہ کثیراً

ترجمہ "مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا اور وہ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔"

آگے وہ چند صحابہ کرام کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں جیسے عبد اللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، کعب بن مالک وغیرہ کہ جب یہ لوگ شعر کہتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ثناء اور حکمت و موعظت، زہد، ادب وہ مدح رسول اور مدح صحابہ و صلحائے امت پر کہتے ہیں۔ (۵)

یہاں بھی آیت کا دوسرا ٹکڑا مومن شاعروں کے بارے میں ہے تو یہاں بھی مفسر کو

ابتداً شاعری کی قسم کو واضح کر دینا چاہیئے تھا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

"جس شعر کی یہاں نفی مقصود ہے اس معنی کردہ شعر کی وجہ سے شعراء کی مذمت ہوئی جس عموم میں صورۃً سب ناظمین آ گئے کو ان کے مضامین عین حکمت اور تحقیق ہوں اس لئے آگے ان کا استثنا فرماتے ہیں کہ ہاں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کیخلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضامین نہیں ہیں)۔(۶)

مولانا صاحب یہاں قدرے وضاحت کرتے نظر آ رہے ہیں مگر پھر بھی اس ضمن میں تشنگی معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں 'شعر' کو ادبی صنف کے طور پر لیا جا رہا ہے یا کہانت والی ضمن میں۔ فرق واضح نہیں ہو پا رہا۔

اور ہجو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کسی کی ہجو جو بظاہر اخلاق حسنہ کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے اس کا بدلہ لیا ہے۔"

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی فرماتے ہیں:

"آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہؐ کی ہجو کرتے تھے۔ مقاتل نے ان کے نام نقل کئے ہیں جن میں عبد اللہ بن زبیر سہمی، ہبیرہ بن ابی مخزومی... اُمیہ بن صلت ثقفی ہیں۔"

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کرتے اور دعای کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے... یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ناؤن فرمایا ہے۔" (۷)

یہاں بھی یہ ضروری نظر آتا ہے کہ 'شعر' کی حیثیتوں کا فرق واضح ہو کیونکہ اگر وہ شعراء جن کا ذکر کیا جا رہا ہے جب اپنے اشعار کو کلام اللہ کے مماثل قرار دیتے تھے تو اکثر شعر

کی ادبی اور کہانت والی حیثیتوں میں فرق کرنا بھول جاتے تھے۔

آگے چل کر وہ چند روایات بیان کرتے ہیں جو اس طرح ہیں:

"حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہوا ہو کہ اس کی صحت غارت کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں"۔ (رواہ البخاری مسلم و احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ)

"حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہؐ کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو....." (۸)

جبکہ آیت ۲۲۷ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو، اور جن مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔"

آگے اس ہی سلسلے میں روایت بیان ہوتی ہے:

"غزوہ بنو قریظہ کے دن رسول اللہؐ نے حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرائیل (مدد کے لئے) تمھارے ساتھ ہیں...."

ایک اور روایت بیان ہوئی ہے:

"مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمھاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔"(۹)

مزید ایک روایت یوں آئی ہے:

"عمرو بن شدید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہؐ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا

فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمھیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی
ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک
اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو (۱۰۰) شعر
پڑھ کر سنائے۔" رواہ مسلم۔ (۱۰)

ان روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خیال گزر سکتا ہے کہ جب قرآن شعراء کے لئے مذمتی زبان استعمال کر رہا ہے اور مومنین کو تنبیہ کر رہا ہے تو پھر یہ روایات کس پہلو کو اجاگر کر رہی ہیں کہ رسول اللہؐ کی جانب سے ہجو گوئی جیسے فعل کے لئے کہا جا رہا ہے؟؟ یا پھر آگے چل کر رسول اللہؐ ہی شعراء میں سے کہ جن کا شمار روایات کے مطابق کا فر شعراء کی فہرست میں ہوا ہے ان کے اشعار کی سماعت کے لئے رغبت کا ذکر کیا گیا ہے؟؟ یہ ناقابل فہم بات ہے۔

وجہ شاید یہ ہے کہ شاعری کے فن کو بحیثیت ادبی صنف رد کر دیا جانا ناقابل قبول مانا جا رہا ہے اور جواز دیئے جا رہے ہیں کہ "اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں۔" (۱۱)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں بظاہر سب
نظم کہنے والے آ گئے کو ان کے مضامین میں حکمت اور تحقیق ہو ں
اسلئے آگے ان کا استثناء فرماتے ہیں کہ) ہاں مگر جو لوگ (ان شاعر
وں میں سے) ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کے
خلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل، یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضا
مین نہیں ہیں) اور انھوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا
ذکر کیا۔۔اور (اگر کسی شعر میں بظاہر کوئی نامناسب مضمون بھی ہے
جیسے کسی کی ہجو اور مذمت جو بظاہر اخلاق حسنہ کے خلاف ہے تو اس
کی وجہ بھی یہ ہے کہ) انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے

اس کا بدلہ لیا (ہے)۔" (۱۲)

یہاں بھی 'شعر' کی حیثیتوں کی وضاحت کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

مزید یوں ہے:

" یہ لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ انتقامی طور پر جو شعر کہے گئے ہیں ان میں
بعض مباح ہیں اور بعض اطاعت و کار ثواب ہیں۔"

شعر و شاعری کی مذمت سے متعلق روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "جن روایات میں شعر و شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔" (۱۳)

ابو الاعلیٰ مودودی روایت بیان فرماتے ہیں:

" حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کبھی اشعار بھی اپنی تقریروں
میں استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا شعر سے بڑھ کر آپ کو
کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔"

آگے ہے:

" نبیؐ کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی کہ تم میں سے کسی شخص کا
خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔"

مزید ہے:

" تاہم جس شعر میں کوئی اچھی بات ہوتی تھی آپ اس کی داد بھی د
یتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں۔" امیہ
بن صلت کا کلام سن کر آپ نے فرمایا " اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا
دل کافر ہے۔" ایک مرتبہ ایک صحابی نے ۱۰۰ کے قریب شعر آپ کو سنا
ئے اور آپ فرماتے گئے "اور سناؤ۔" (۱۴)

جب کہ قرآن میں ایک مقام پر نبیؐ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ کے مزاج کو تو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ

ترجمہ "ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے۔"
سورۃ یٰس آیت ۶۹۔ (۱۵)

یہاں شاعری کو مکمل طور پر مسترد اور مذمت کرنا مقصود نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے شاعر ہونے کے رد کا مقصد ہے۔ اور اس تمام تردید کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو کلام اللہ ثابت کیا جائے اور اس کے کسی انسان کے خیالات ہونے کا رد کیا جائے۔

علامہ ابن کثیر کے مطابق یہاں بھی مذکورہ بالا روایات کے عین مماثل روایت ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کافر شاعروں کی تابعداری گمراہ لوگ کرتے ہیں عرب کے شاعروں کا دستور تھا کسی کی مذمت اور ہجو میں کچھ کہہ ڈالتے تھے لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہؐ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج میں جا رہے تھے جو ایک شاعر شعر خوانی کرتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑ لو یا روک لو تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا بھر لے۔"
(۱۶)

مذکورہ بالا تمام باتوں میں آپس میں عجیب بے ربطی نظر آ رہی ہے۔ کہیں شاعری و شاعری کی تکذیب کی جا رہی ہے اور کہیں کہیں سراہا جا رہا ہے۔

جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعری کو ادبی صنف کے طور پر مکمل طور پر رد نہیں سمجھا جا رہا، جس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ عرب قوم کے نزدیک ان کا سب سے اہم قومی شاہکار ان کی زبان 'عربی' ہے۔ جس کا سب سے بڑا ذریعہ اظہار شاعری ہی رہا۔ قدیم عرب کے نزدیک شاعری ہی ان کی تہذیب، تاریخ اور روایات کو زندہ رکھنے کا اہم ذریعہ تھی لہٰذا اس کا مکمل رد کیا جانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"مندرجہ بالا آیات میں آنحضرتؐ پر کہانت کے الزام کی تردید ہوئی اور آگے کی آیات میں شعر و شاعری کے الزام کی تردید آ رہی ہے۔ قریش آنحضرتؐ کو شاعر یا قرآن کو جو شعر کہتے تھے تو وہ شعر و شاعری کے معروف معنی میں نہیں کہتے تھے۔" (۱۷)

مزید فرماتے ہیں:

"اس کے اندر ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اہل عرب یہ تصور رکھتے تھے کہ ہر بڑے شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے جو اس کو شعر الہام کرتا ہے۔ یہ تصور دے کر وہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ محمدؐ کا یہ دعوٰی کہ ان کے اوپر خدا کی طرف سے ایک فرشتہ یہ کلام لے کر اترتا ہے محض واہمہ ہے۔ یہ فرشتہ نہیں بلکہ اس طرح کا کوئی جن ہے۔ جس طرح کا جن ہر بڑے شاعر کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔" (۱۸)

اس طرح قرآن ان مفاہیم میں قرآن کے شعر ہونے اور رسول اللہؐ کے شاعر ہونے کا رد کر رہا ہے۔ تاکہ اللہ کی جانب سے فرستادہ نبی اور قدیم عرب کے مذہبی قیافہ شناس شعراء میں حد فاصل قائم کر دے۔ گویا قرآن میں 'شاعر' کا لفظ جن مفاہیم میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد دراصل قدیم عرب کی مذہبی تہذیب سے منسلک اہم علم 'کہانت' کی ایک صنف ہے جس کے علم بردار عرف عام میں 'شاعر' کہلاتے تھے نہ کہ فنون لطیفہ کی معروف صنف 'شاعری'۔

حوالہ جات

۱۔ اشرف علی تھانوی، قرآن حکیم تفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی، تاریخ ندارد ص ۴۰۷
۲۔ Islam,D.B.Macdonald The Religious Attitude and life in ,Kyayats Beyrouth, lect 1, pg25-27
۳۔ ایضاً، ص ۲۷
۴۔ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی، تفسیر مدارک النسفی جلد دوم (اردو ترجمہ مولانا شمس الدین)، مکتبہ العلم اردو بازار لاہور پاکستان، تاریخ ندارد، ص ۸۹۲۔۸۹۱
۵۔ ایضاً
۶۔ اشرف علی تھانوی، ص ۴۰۷
۷۔ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی، علامہ، تفسیر مظہری جلد ہشتم (ترجمہ سید عبد الدائم الجلالی مولانا)، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۶۴
۸۔ ایضاً، ص ۵۶۳
۹۔ ایضاً، ص ۵۶۵
۱۰۔ ایضاً، ص ۵۶۷
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶۶
۱۲۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن جلد ششم، ادارۃ المعارف کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۵۰
۱۳۔ ایضاً، ص ۵۵۵
۱۴۔ مودودی، تفہیم القرآن جلد سوم، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، تاریخ ندارد، ص ۵۶۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۵۶۷
۱۶۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر اردو، نور محمد کارخانہ کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۵
۱۷۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن جلد پنجم، فاران فاؤنڈیشن لاہور پاکستان، تاریخ ندارد ص ۵۶۶
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۶۶

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶،۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۵۳-۶۹

مدرسۂ نظامیہ نیشاپور

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

Madaris had played significant role in Muslim educational and cultural history. Madarsa Nisha Pur is one of the great Muslim educational institution founded by Seljuk's Prime Minister Khwaja Nizam al-Mulk al-Tusi who is also well-known for a net-work of Nizamiyah schools in several cities of the state. Nizamiyah Nisha Pur gave enormous scholars like Abu Al Ma'ali Al Juwaini, Imam Ghazali, Alkia Al Hirasi, Abu Muzaffar Al Khawafi, Abu Abdullah Al Farawi and Abu Sa'ad Muhammad bin Yahya to Islamic world whose intellectual works are still benefiting Islamic world.

Present article shed the light on the history of Madarsa Nizamiyah Nisha Pur and stated the life of some of the teachers and students of Nizamiyah Nisha Pur.

سلجوقی وزیر اعظم نظام الملک طوسی(۱) نے پانچویں صدی ہجری کے نصف میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ان مدارس نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔نظام الملک طوسی وہ پہلا شخص تھا جس نے حکمران وقت کی رضا مندی سے اپنے زیر اقتدار تمام اسلامی شہروں میں مدارس تعمیر کیے اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف مختص کیے۔ یہ وہ پہلے باقاعدہ مدارس تھے جن کا اپنا تعلیمی بجٹ تھا۔نظام الملک طوسی کے قائم کردہ مدارس نظامیہ میں اساتذہ، اخراجات اور کتب خانے کا انتظام، قیام کے وقت ہی کر دیا جاتا تھا۔کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔(۲)

نظام الملک نے اس طرز کا اولین مدرسہ نیشاپور میں قائم کیا۔ نیشاپور، خراسان کا مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں ''باب المشرق'' کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا مرکز تھا۔اس شہر میں شعراء، ادباء، محدثین، فقہاء، مورخین، ریاضی دان، فلاسفہ اور اطباء وغیرہ ہر طبقہ کے اکابر حضرات اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ یہ شہر اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں ''دارالعلم'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خراسان کے چار بڑے شہروں (نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ) میں اہم ترین شہر کا درجہ رکھتا تھا۔(۳)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:

> ''نیشاپور ان چار شہروں میں سے ایک ہے، جو خراسان کے پایہ تخت کہلاتے ہیں۔ یہاں سے چار نہریں نکلتی ہیں ۔ اس کے بازار نہایت اچھے اور وسیع ہیں اور اس کی مسجد بھی نادر ہے، جو وسط بازار میں واقع ہے۔ اس کے قریب مدارس میں سے چار مدرسے ہیں ۔ طلباء کی کثرت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔''(۴)

خصوصی مدارس کی تاسیس میں سبقت لے جانے میں نیشاپور کا شہر قدیم زمانہ سے

مشہور ہے۔ اس علاقہ کے ادب دوست اور دانش پرور لوگ حصول علم سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ علماء کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ عالم اسلام کے دور دراز کے شہروں اور ملکوں کے جلیل القدر علماء کو اپنے شہر میں تدریس کے لیے بلاتے تھے۔ یکی نیشاپور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نیشاپور اسلامی شہروں میں سے اہم ترین اور بزرگ ترین شہر تھا اور
بغداد کے بعد تمام بڑے اسلامی شہروں میں بے مثال تھا۔'' (۵)

سلاجقہ کے اوائل عہد میں نیشاپور کو پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو مرکز سلطنت بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ (۶)

لہٰذا خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کے حجاز سے واپس آنے پر ان کے اعزاز میں یہ درسگاہ قائم کی۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ کم وبیش تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبا اور علماء دونوں ہوا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ نظام الملک نے جب امام الحرمین جوینی کے لیے مدرسہ نظامیہ نیشاپور تعمیر کیا تو خطابت، تدریس، مدرسہ کے اوقاف کے معاملات کی نگرانی اور ان سے وابستہ کام، ان کو تفویض کر دیے۔ (۷) بسا اوقات یہ مدرسۂ امام الحرمین کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ رواج اور معمول یہ تھا کہ مدارس اپنے بانیوں کے نام سے، اپنے کسی ایک مدرس کے نام سے یا جس شخص کی خاطر اسے بنایا گیا تھا اس کے نام سے یا پھر جس جگہ بنایا گیا ہو اس کے نام سے مشہور ہوتے تھے۔ (۸)

مدرسہ نظامیہ نیشاپور اپنی کارکردگی کے اعتبار سے اور مدرسین اور مشہور فقہاء کی تعداد کے لحاظ سے جو یہاں تعلیم و تعلم میں مشغول تھے، نظامیہ بغداد (۹) کے بعد دوسرے نمبر پر آتا تھا۔ اس کی عمارت بھی نہایت شاندار تھی۔ امام غزالی اور الکیا الہراسی جیسے علماء نے یہیں تعلیم پائی۔

نظامیہ نیشاپور باوجود یکہ نظامیہ بغداد کی تاسیس سے پہلے وجود میں آیا، نیز اس دور تک نیشاپور کی بغداد پر قدامت اور علمی و ادبی برتری کے باوجود نیز امام الحرمین جوینی، امام

غزالی اور امام محمد یحییٰ نیشاپوری جیسے اساتذہ ہونے کے باوجود، دو وجوہ سے شہرت و اعتبار اور فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد کے لحاظ سے نظامیہ بغداد کے مرتبہ تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ:

ا۔ ان مدارس کے بانی نظام الملک نے اپنی زیادہ تر توجہات نظامیہ بغداد پر مبذول کریں۔ نظامیہ بغداد کی تعمیر میں بے مثال اور خصوصی اقدامات کیے، نیز اوقاف کا تعین، زیادہ تنخواہیں، مدرسین، طلبہ اور دیگر عملے کے لیے بیش بہا تنخواہیں، وظائف اور مراعات مقرر کیں، یوں اس نے اپنی تمام تر کوششیں خلافت عباسی کے مرکز بغداد میں قائم ہونے والے اس تبلیغی مرکز کے بارے میں کیں تاکہ وہ نظامیہ بغداد کو مصر کے فاطمیوں کے مرکز اشاعت و تعلیمات مذہبی جامع الازہر قاہرہ کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور اور مشہور تر کر سکے اور اسے ہر لحاظ سے اعلیٰ و برتر بنا دے۔ (۱۰)

۲۔ ترکمانان غز اور تاتاریوں کے مسلسل تباہ کن حملوں نے یکدم نیشاپور کو درہم برہم کر دیا اور شہر کے مکینوں، عمارتوں اور آثار قدیمہ کو بالکلیہ نیست و نابود کر دیا۔ جب کہ بغداد پر ان کا حملہ زیادہ عرصے کے بعد اور نسبتاً نرم شرائط کے ساتھ ہوا کہ نظامیہ بغداد اور مدرسہ مستنصریہ کو زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ عطا ملک جوینی کے ایام حکومت میں بغداد خلفاء کے دور سے بھی بڑھ کر آباد ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر کے یہ دو علمی مراکز یعنی نظامیہ اور مستنصریہ طویل مدت تک، اگرچہ کمزوری و انحطاط کی حالت میں، قائم رہے اور اپنی علمی زندگی کو جاری رکھا۔ (۱۱)

قدیم مصادر میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے سال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا مگر تاریخی شواہد میں یہ وضاحت ضرور موجود ہے کہ نظامیہ نیشاپور کی بنیاد نظامیہ بغداد سے چند سال پہلے رکھی گئی تھی اور یہ الپ ارسلان سلجوقی کی سلطنت کے اولین سالوں (۴۵۵ھ-۴۶۵ھ) کے ہم زمان تھی۔ ناجی معروف کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۰ھ (۱۰۸۷ء) کے قریب قائم ہوا۔ (۱۲) جبکہ نور اللہ کسائی کی تحقیق کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۶ھ میں قائم کیا گیا۔ (۱۳) اور یہی قرین قیاس اور قابل اعتماد ہے۔

نظامیہ نیشاپور فن تعمیر کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا۔ افسوس کہ استداد زمانہ سے اس کا نام ونشان مٹ گیا ہے، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک پرشکوہ عمارت تھی، اس کے

ساتھ چمن ، پارک ، اور تالاب و نہریں جاری تھیں۔ طلبہ یہاں مطالعہ اور مذاکرہ کرتے تھے۔ تالاب کی ستر سیڑھیاں تھیں، ابوالحسن الکیا الہراسی درس کے بعد تالاب کے کنارے استاذ کی تقریر زبانی یاد کرتے تھے، اور ہر سیڑھی پر اسے سات بار دہراتے تھے۔(۱۴) امام الحرمین کے شاگرد شیخ ابوالقاسم انصاری مدرسہ کی لائبریری کے نگران تھے۔(۱۵)

خواجہ نظام الملک جب تک زندہ رہا ، نظامیہ نیشاپور کے تمام امور اور مدرسین و منتظمین کی تقرری و برخاستگی براہ راست خود کرتا رہا۔ چنانچہ اس کے حکم سے نظامیہ نیشاپور کے انتظام و انصرام اور تدریس پر کئی حضرات مامور ہوئے۔ خواجہ کی وفات کے بعد یہ حیثیت بادشاہوں اور ان کے وزراء کو حاصل تھی۔ خواجہ کے بیٹے فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۰۰ھ) نے سلطان سنجر کی وزارت کے دوران امام غزالی کو نظامیہ نیشاپور میں تدریس کے لیے دعوت دی۔(۱۶) خود سلطان سنجر نے اس مدرسہ کی تولیت ، اوقاف اور منصب تدریس کا فرمان امام محمد یحییٰ نیشاپوری کے لیے صادر کیا۔ آپ ۵۴۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر فتنۂ غز میں گرفتار اور مقتول ہوئے۔ یوں آپ آخری شخص ہیں جس کے پاس یہ عہدہ تھا۔(۱۷)

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نظامیہ نیشاپور ان سترہ شافعی مدارس میں ہو جو ترکمانان غز کے حملے کے نتیجے میں مکمل طور پر تباہ اور منہدم ہو گئے۔(۱۸) اس لیے کہ ترکمانان غز کے ۵۴۸ھ میں نیشاپور پر یلغار کے آغاز سے لے کر، ۶۱۸ھ میں اس شہر کے مغلوں کے ہاتھوں سقوط تک اور پھر اس کے بعد سے اس مدرسہ اور اس کے طلبہ کے بارے میں کسی قسم کی اطلاع دستیاب نہیں ہے۔(۱۹)

مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں:

ابوالمعالی عبدالملک الجوینی:

ابوالمعالی عبدالملک ابن الشیخ ابی محمد عبداللہ بن ابی یعقوب یوسف بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن حیویہ، الجوینی، الفقیہ الشافعی الملقب ضیاء الدین، المعروف بامام الحرمین، ۱۸ محرم ۴۱۹ھ / ۱۷ فروری ۱۰۲۸ء کو بشتنکان میں، جو نیشاپور کے نواح میں ایک گاؤں ہے، پیدا ہوئے۔

آپ متاخرین میں امام شافعی کے اصحاب میں سے علی الاطلاق سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی امامت پر اجماع ہے۔ اصول و فروع کے علوم اور ادب وغیرہ میں آپ کی علمیت اور خوش بیانی پر اتفاق پایا جاتا ہے۔

بچپن میں آپ نے اپنے والد ابو محمد(۲۰) سے فقہ پڑھی ، وہ آپ کی طبیعت کی عمدگی اور آپ پر جو اقبال کی علامات تھیں ان سے حیران ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کی تمام تصانیف پر عبور حاصل کر لیا اور ان میں تصرف کیا، حتیٰ کہ تحقیق و تدقیق میں ان سے بڑھ گئے۔ جب آپ کے والد فوت ہو گئے تو آپ ان کی جگہ تدریس کے لیے بیٹھے، اور جب اس سے فارغ ہوتے تو بیہقی کے مدرسہ میں استاد ابوالقاسم اسکافی اسفرائنی کے پاس چلے جاتے، حتیٰ کہ آپ علم اصول کے ماہر بن گئے، پھر بغداد چلے گئے، وہاں علماء کی ایک جماعت سے ملاقات کی۔

ابوالمعالی نے خراسان میں اشعریوں کے خلاف شورش اور عمید الملک کندری کی تحریک پر رؤساء شافعیہ کی جلاوطنی کی بناء پر مجبوراً ترک وطن کیا اور ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں حجاز چلے گئے اور چار سال تک مدینہ میں رہے، پڑھاتے اور فتویٰ دیتے رہے، اسی بناء پر آپ کو امام الحرمین کہا گیا۔ پھر آپ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کی حکومت کے اوائل میں نیشاپور واپس آ گئے۔ نظام الملک طوسی نے آپ کے لیے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ بنایا، آپ اس کے خطیب بنے ، اکابر آئمہ آپ کے دروس میں شریک ہوئے۔ محراب و منبر، خطابات و تدریس اور جمعہ کے دن کی مجلس تذکیر آپ کے لیے مسلم تھی۔(۲۱)

آپ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے ''نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب'' بھی ہے، جس کے بارے میں ابن خلکان کا کہنا ہے کہ اس کی مثل اسلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔(۲۲)

آپ کی تصانیف میں ''الشامل '' بھی ہے جو اصول دین کے بارے میں ہے۔ اصول فقہ میں آپ کی تصنیف "البرہان" ہے ، "تلخیص التقریب"، "الارشاد"، "العقیدۃ النظامیہ"، "مدارك العقول"، "تلخیص نہایۃ المطلب" ، "غیاث الامم فی الامامۃ"، "مغیث

المحلی فی اختیار الاحق"، اور "غنیۃ المسترشدین" وغیرہ بھی آپ کی کتب ہیں۔(۲۳)

۲۵ ربیع الثانی ۴۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۰۸۵ء کو بدھ کی رات عشاء کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بیٹے ابوالقاسم نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ علم و ادب کے قریباً چار سو مشاہیر (جن میں حجۃ الاسلام امام غزالی بھی شامل ہیں) آپ کے شاگردوں کے زمرہ میں داخل تھے۔ آپ کے سوگ اور تعزیت میں عجیب شورش برپا ہوئی۔ آپ کے منبر کو توڑ ڈالا گیا، بازار بند کر دیے گئے اور پورے ایک ماہ تک کسی نے اپنے سر پر عمامہ نہیں رکھا۔ آپ کے عزیز شاگردوں نے اپنے قلم اور دواتیں توڑ دیں اور پورا ایک سال اسی حال میں رہے۔(۲۴)

ابو حامد محمد بن محمد غزالی:

ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، الملقب حجۃ الاسلام، زین الدین الطوسی، الفقیہ الشافعی، آپ کے آخری زمانے میں شافعیوں میں، آپ کی مثل موجود نہ تھی۔(۲۵)

ابتدائی تعلیم طوس اور نیشاپور میں حاصل کی۔ طوس میں علی احمد الرازکانی سے اشتغال کیا، پھر نیشاپور آئے اور امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کے درس میں شریک ہوئے اور اشتغال میں خوب کوشش کی، حتیٰ کہ تھوڑی مدت میں تربیت پا گئے اور اپنے استاد کے زمانے میں ہی ان اعیان میں سے ہو گئے جن کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ آپ کے استاد ابوالمعالی الجوینی آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔ ۴۷۸ھ تک امام الحرمین الجوینی کے انتقال تک ان کے ساتھ مقیم رہے۔ ان کے انتقال کے بعد امام غزالی نیشاپور سے العسکر چلے گئے اور وزیر نظام الملک طوسی سے ملے۔(۲۶)

۴۹۹ھ میں سلطان سنجر اور اس کے وزیر فخر الملک بن نظام الملک نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ مدرسہ نیشاپور میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کریں، آپ راضی نہ تھے مگر بعض دوستوں کے اصرار، استخارہ اور رویائے صادقہ کی بنا پر آپ نے ذوالقعدہ ۴۹۹ھ میں یہ پیشکش تسلیم کر لی۔(۲۷)

۵۰۰ھ میں فخر الملک بن نظام الملک ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اس کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد آپ نے نظامیہ کی تدریس سے کنارہ کشی کی، اور اپنے وطن طوس

واپس آ گئے۔ آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ / ۱۹ دسمبر ۱۱۱۱ء کو ہوئی۔(۲۸)

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیا الہراسی:

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری، الملقب عماد الدین، المعروف بالکیا الہراسی، الفقیہ الشافعی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آپ نیشاپور گئے اور مدت تک امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھتے رہے حتیٰ کہ ماہر ہو گئے۔ آپ درس میں امام الحرمین کی دہرائی کرنے والوں کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور ابوحامد غزالی کے ثانی تھے۔(۲۹) پھر نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور وہاں ایک مدت تک پڑھایا، پھر عراق چلے گئے اور نظامیہ بغداد کی تدریس سنبھال لی، اور تاحیات وہیں رہے۔

الکیا الہراسی کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۵۰۴ھ کو بروز جمعرات بوقت عصر بغداد میں ہوئی اور تدفین شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قبرستان میں ہوئی۔(۳۰)

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود:

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود بن طاہر نیشاپوری طریثیثی، الفقیہ الشافعی، ملقب بہ قطب الدین، آپ نے نیشاپور اور مرو کے آئمہ سے فقہ پڑھی اور کئی لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے قرآن کریم اور ادب اپنے والد سے پڑھا۔ امام الحرمین الجوینی کی نیابت میں مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں پڑھایا۔

۵۴۰ھ میں آپ بغداد آئے اور وعظ کیا، آپ کو قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے مدرسہ مجاہدیہ میں پڑھایا، پھر فقیہ ابوالفتح نصر اللہ المصیصی کی وفات کے بعد جامع دمشق میں پڑھایا۔ جہاں مغربی گوشہ میں آپ کا حلقہ درس تھا۔ پھر آپ حلب چلے گئے اور ایک مدت تک ان دو مدرسوں کی تدریس کے مہتمم رہے جنہیں نورالدین محمود اور اسدالدین شیرکوہ نے بنایا تھا۔ پھر آپ ہمدان چلے گئے اور وہاں تدریس کا کام سنبھالا، پھر دمشق واپس آ گئے اور بدستور اپنا حلقہ درس سنبھال لیا جہاں آپ حدیث کا درس دیتے تھے۔(۳۱)

آپ صالح عالم تھے۔ آپ نے فقہ میں کتاب "الہادی" تصنیف کی۔ یہ مختصر اور

نافع کتاب ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳ رجب الفرد ۵۰۵ھ کو ہوئی اور وفات ماہ رمضان ۵۷۸ھ کے آخری دن دمشق میں ہوئی۔ عید کے روز جمعہ کے دن آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ آپ کو اس قبرستان میں دفن کیا گیا جسے آپ نے قبرستان صوفیاء کے پاس غربی دمشق میں بنایا تھا۔ (۳۲)

ابو سعد محمد بن یحییٰ:

ابو سعد محمد بن یحییٰ بن ابی منصور نیشاپوری، الملقب محی الدین، الفقیہ الشافعی، متاخرین کے استاد اور علم و زہد کے لحاظ سے ان میں یکتا تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی اور ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی سے فقہ سیکھی، کمال حاصل کیا اور اس کے متعلق اور خلاف کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ نیشاپور میں فقہاء کی ریاست آپ تک پہنچی، لوگوں نے شہروں سے آپ کی طرف سفر کیا، اور خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے "المحیط فی شرح الوسیط" اور "الانتصاف فی مسائل الخلاف" وغیرہ کتب تصنیف کیں۔

آپ نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور اور ہرات میں بھی پڑھایا۔ آپ کے زمانے کا ایک فاضل آپ کے درس میں حاضر ہوا، اور آپ کے فوائد اور عمدہ لیکچر کو سنا تو اس نے کہا:

رفات　الدین　و　الاسلام　یحیا
بمحیی　الدین　مولانا　ابن　یحییٰ
کان　الله　رب　العرش　یلقی
علیه　حین　یلقی　الدرس　وحیا

"دین اور اسلام کی بوسیدہ ہاتوں کو محی الدین ابن یحییٰ نے زندہ کیا ہے، اور جب وہ سبق دیتا ہے تو گویا رب العرش اس پر وحی کرتا ہے"۔ (۳۳)

آپ کی ولادت ۴۷۶ھ میں طریثیث میں ہوئی، اور رمضان ۵۴۸ھ میں آپ کا قتل ہوا۔ (۳۴)

ابراہیم بن المطہر:

ابراہیم بن المطہر، ابوطاہر الشباک الجرجانی، آپ نیشاپور میں امام الحرمین کے درس میں حاضر ہوئے، پھر آپ نے امام غزالی کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ عراق، حجاز اور شام

کا سفر کیا۔ پھر آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور تدریس ووعظ میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۵۱۳ھ میں آپ کو شہید کردیا گیا۔ (۳۵)

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر:

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر ابن احمد بن محمد بن سعید الفارسی الحافظ، آپ حدیث اور عربی زبان کے امام تھے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی اور چار سال ان کے ساتھ وابستہ رہے۔ پھر نیشاپور سے خوارزم چلے گئے اور وہاں کے افاضل سے ملاقات کی، وہاں آپ کے لیے مجلس بھی منعقد کی گئی۔ پھر آپ غزنی اور وہاں سے ہندوستان گئے، اوراحادیث کی روایت کی۔ پھر آپ نیشاپور واپس آئے اور وہاں کے خطیب بن گئے۔ (۳۶)

آپ کی متعدد تصانیف ہیں: جن میں سے "المفہم لشرح غریب صحیح مسلم"، اور "السیاق لتاریخ نیشاپور" اور غریب احادیث کے بارے میں "مجمع الغرائب" ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الثانی ۴۵۱ھ میں اور وفات ۵۲۹ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ (۳۷)

ابوالفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی:

ابو الفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی، الفقیہ الشافعی، آپ علم و زہد میں بڑی شان کے امام تھے۔ آپ نے مرو میں شیخ ابوعلی السنجی سے فقہ سیکھی، پھر قاضی حسین بن محمد المروزی سے پڑھا اور ان کے طریقے کو حاصل کیا۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے اصول فقہ پڑھے، اور آپ کی مجلس میں مناظرہ کیا۔ پھر آپ ارغیان کی طرف واپس آگئے اور اس کے قاضی بنے۔ (۳۸)

آپ "فتاوی ارغیانی" کے مولف ہیں، آپ نے آئمہ کی ایک جماعت جیسے ابوبکر بیہقی، ناصر المروزی، عبدالناصر بن اسماعیل بن عبدالغافر الفارسی وغیرہم سے سماع کیا ہے۔ آپ نے حج کے موقع پر حجاز و عراق اور جبال کے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے سماع کیا اور انہوں نے آپ سے سماع کیا۔ جب آپ مکہ معظمہ سے واپس آئے تو شیخ عارف حسن سمنانی کی ملاقات کو آئے جو اپنے وقت کے شیخ تھے، انھوں نے آپ کو ترک مناظرہ کا مشورہ دیا تو آپ